© rasailojaraid.com

ترجمہ وتلخیص

تاریخ تدوین وجمعِ قرآن

مسلمانوں کی سہل انگاری اور مستشرقین کے شبہات کا جائزہ

ڈاکٹر اسماعیل احمد الطحان

مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی

مسلمانوں کے لیے قرآن کریم کی تدوین وجمع کی تاریخ سے بڑھ کر کوئی قابلِ فخر سرمایہ نہیں ہے۔ وہ نزول کے اول دن سے اصحاب رسول کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ تیئس ۲۳ سال کے عرصے میں قرآن کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی بات ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کتاب اللہ کی ایک آیت بھی ایسی نہیں جس کے بارے میں انھیں معلوم نہ ہو کہ وہ کس کے بارے میں اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عکرمہؓ سے کسی نے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کوہِ سلع کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہ آیت اس پہاڑ کے دامن میں نازل ہوئی تھی"۔[۱]

صحابۂ کرام نے قرآنِ کریم کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اسے سینوں میں بھی محفوظ کیا اور نوشتوں کی شکل میں بھی مدوّن کیا۔ یہاں تک کہ ان کی یہ کاوشیں تاریخ کا جزء بن گئیں۔ مگر صحابہؓ کی نسل ختم ہوتے ہوتے حالات دگرگوں ہو گئے۔ مختلف فتنوں نے سر ابھارا۔ حقائق غبار آلود ہو گئے اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان پر خواہشاتِ نفس کی گمراہیوں اور رذالتوں کے اوہام کی تہیں جمتی گئیں۔ اس طرح کچھ عرصہ کے بعد تحقیق کرنے والے کے لیے

---

[۱] موازنہ کے لیے ملاحظہ کیجیے مباحث فی علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح ص ۱۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناممکن ہوگیا کہ وہ رطب و یابس روایات کے انبار میں سے حقائق کا استنباط کرسکے۔ اس وقت جن لوگوں نے اس تاریخ کو از سر نو رقم کرنے کی کوشش کی انھوں نے بس یہ کیا کہ پوری امانت داری کے ساتھ ایسی تمام روایات نقل کردیں اور اس کی کچھ پروا نہیں کی کہ ان میں سے بعض روایتیں باہم متناقض ہیں یا ان میں عقل و منطق سے بعید تر باتیں موجود ہیں۔ متن اور سند کے نقد کا، اگرچہ شرعی و قانونی مباحث میں اہتمام ملتا ہے، لیکن تاریخ جمع و تدوین قرآن کو بیان کرنے میں اس کا کوئی واضح اثر دکھائی نہیں دیتا۔ مسلمانوں کی اس سہل انگاری سے دشمنان اسلام کو موقع مل گیا۔ چنانچہ مستشرقین نے اپنے مخصوص استشراقی طریقۂ کار (جو ظن و تخمین، قیاسات اور اوہام پر مبنی ہوتا ہے) سے کام لے کر قرآن کے بارے میں شبہات پیدا کیے اور اس طرح اس دین کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی کوشش کی۔

تاریخ جمع و تدوین قرآن کے موضوع پر جو کتابیں پائی جاتی ہیں، خواہ وہ قدماء کی ہوں یا جدید مصنفین کی، جو شخص ان کا مطالعہ کرے گا اور جائزہ لے گا وہ دیکھے گا کہ ان میں بڑی حد تک یکسانیت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب نے ایک طرح کے مصادر سے معلومات حاصل کی ہیں اور روایات پر نقد و تبصرہ کی کسی خاص جدّوجہد کے بغیر انھیں جوں کا توں نقل کرلیا ہے۔ اگر کسی نے کچھ کوشش بھی کی تو بہت سرسری جس سے حقائق نکھر کر سامنے نہیں آپاتے۔ ورنہ اکثر وہ خود بحث و تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور بس ان مصادر کا حوالہ دے دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے شایان شان یہ تھا کہ وہ جمع و تدوین قرآن کی تاریخ کی اہمیت محسوس کرتے، اس لیے کہ یہ محض ایک کتاب کی تاریخ نہیں، بلکہ ایک دین کی تاریخ کا معاملہ ہے اور محض ایک دین کی تاریخ نہیں بلکہ ایک تہذیب کی تاریخ اس سے وابستہ ہے۔ ایک ایسی تہذیب جس نے انسانیت کو ماضی میں بھی صحیح راہ دکھائی ہے اور اس کا حال اور مستقبل بھی اس سے سنور سکتا ہے۔ لیکن انھوں نے جس طرح سہل انگاری سے کام لیا، اس موضوع پر رطب و یابس روایات جمع کردیں اور ان کی چھان پھٹک کی زحمت گوارا نہیں کی، اس کی بنیاد پر مستشرقین کو قرآن کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یں شبہات پیدا کرنے کا پورا موقع مل گیا اور انھوں نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

یہ صحیح ہے کہ علمائے اسلام نے ان شبہات کا علمی جائزہ لینے اور ان کا رد کرنے کی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں لیکن ان شبہات کے پیدا ہونے کی ذمہ داری ان لوگوں پر بھی عائد ہوتی ہے جنھوں نے اس تاریخ کو غلط طریقے سے پیش کیا۔

آئندہ سطور میں چند ایسی روایات پیش کی جائیں گی جو قرآن کے بارے میں بعض شبہات اور اعتراضات کا باعث بنیں۔ اس سے واضح ہوگا کہ قرآن کی جمع و تدوین کی تاریخ لکھتے وقت ضرورت تھی کہ ایسی روایات سے اعراض کیا جاتا اور ان کے بجائے ایسی روایات پر اعتماد کیا جاتا جو ان سے زیادہ مستند تھیں اور ان سے حقیقت نکھر کر سامنے آتی۔

تدوینِ قرآن سے متعلق روایات اور شبہات

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم زبانی یاد تھا آپ اسے دہراتے رہتے تھے اور آپؐ نے نصِّ قرآنی کو لکھوا بھی لیا تھا کتابتِ وحی کے لیے آپؐ نے بعض صحابہ کو متعین کر رکھا تھا۔ روایات میں ان کی تعداد تینتالیس تک آئی ہے۔ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وحی کی کتابت کرنے والے عبداللہ بن ابی سرح تھے۔ کاتبینِ وحی میں خلفاء اربعہ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت خالد بن سعیدؓ اور حضرت ابان بن سعیدؓ وغیرہ کا بھی نام آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابتِ وحی کی خدمت سب سے زیادہ حضرت زید بن ثابتؓ نے انجام دی[1]۔ امام بخاریؒ نے حضرت براءؓ سے روایت کی ہے کہ جب آیت لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ .... وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ۔ النساء: ۹۵ (اہلِ ایمان میں سے وہ لوگ جو.... گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زید کو بلاؤ، وہ لوح اور

---

[1] ملاحظہ کیجیے تاریخ القرآن، ابوعبداللہ الزنجانی، ص ۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوات (یا فرمایا شانہ کی ہڈی اور دوات) لے کر آئیں"۔ وہ حاضر ہوئے تو فرمایا: " لکھو لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ...... اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر حضرت ابن ام مکتومؓ موجود تھے جو نابینا تھے۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے لیے کیا حکم ہے؟ میں تو نابینا ہوں۔ اسی وقت غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ (ان لوگوں کے علاوہ جو کسی معذوری کی وجہ سے بیٹھے رہیں) کا اضافہ نازل ہوا۔[1]

کتب حدیث میں ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی کو قرآن املا کراتے تھے تو ساتھ ہی یہ بھی بتاتے تھے کہ آیات کو کس ترتیب سے لکھیں اور کون سی آیت کس سورت میں کس جگہ رکھیں؟ جامع ترمذی میں حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ جب قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوتا تو آپ کسی کاتب وحی کو بلاتے اور فرماتے: "ان آیات کو لکھ کر فلاں سورت میں شامل کر دو" کبھی ایک آیت نازل ہوتی تو آپ فرماتے: "اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھ دو"۔[2]

اچانک یہ حقائق بعض کم زور روایات کی دھندلاہٹ میں گم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں امام زہری کی سند سے عبید نامی ایک راوی سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، اس وقت تک قرآن کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا"۔

اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی اس سے تحریری طور پر موجود مختلف چیزوں کو جمع کرنا مراد لیا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں "یعنی اس وقت تک قرآن کو نزول وحی مکمل ہونے کے انتظار میں ایک مصحف کی شکل میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ نزول وحی کی تکمیل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے خلفائے راشدین کو اس کام کا الہام کیا، تاکہ اس نے

---

[1] صحیح بخاری، ۱۸۳/۵، کتاب التفسیر، سورۂ نساء، باب لا یستوی القاعدون من المومنین الآیہ

[2] جامع ترمذی، ۲۲۵/۱۱۰، ابواب التفسیر، سورۂ التوبۃ، حدیث نمبر ۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفاظتِ قرآن کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو۔[۱]

دیکھیے اس روایت کی سند پر کلام کیا گیا ہے۔ اس میں ایک راوی ابراہیم بن بشار معتبر نہیں ہے۔ اس سے بہت سی منکر روایتیں مروی ہیں۔ دوسرا راوی عبید جس سے زہری نے روایت کی ہے، کون ہے؟ اس کا علم رجال اور طبقات کی کتابوں سے نہیں ہوتا۔[۲]

اس کے باوجود یہ روایت مستشرقین کی نظر میں راجح ہے، اس لیے کہ یہ اُس روایت سے مطابقت رکھتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ یمامہ میں جب بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو قرآن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اگر قرآن تحریری شکل میں اور یک جا موجود ہوتا تو ان حضرات کے خوف کی کوئی وجہ نہیں تھی۔[۳]

اس نقطۂ نظر کی تائید کرنے والی متعدد کم زور روایتیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ابن ابی داؤد نے ابن شہاب کی سند سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بہت سا قرآن نازل ہوا تھا۔ لیکن جنگِ یمامہ میں بہت سے صحابہؓ جنھیں پورا قرآن یاد تھا، شہید ہو گئے۔ اس بنا پر قرآن کا خاصا حصہ ضائع ہو گیا اور اسے ضبطِ تحریر میں نہ لایا جا سکا۔"[۴]

ایسی ہی روایات کا سہارا لے کر مستشرقین زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں قرآن کی تدوین نہیں ہو سکتی تھی۔ "بلاشیر" (Blachere) نے لکھا ہے: "قرآن نے ڈرایا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب یہ دنیا فنا ہو جائے گی اور قیامت برپا ہو گی۔ اسی طرح قرآن نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی اپنی آنکھوں سے کافروں کا انجام دیکھ لیں گے۔ اس بنا پر نبیؐ کی زندگی میں وحی کو مدوّن کرنے کا کوئی

---

[۱] الاتقان فی علوم القرآن، سیوطی، ۱/۵۷

[۲] دراسات فی القرآن۔ ڈاکٹر سید خلیل ص ۸۸

[۳] آرتھر جفری، کتاب المصاحف

[۴] المصاحف۔ ص ۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محرک موجود نہیں تھا۔ اس لیے کہ یہ عقیدہ پایا جاتا تھا کہ قیامت سے قبل نبی کو موت نہیں آئے گی یا یہ عقیدہ تھا کہ قیامت بہت جلد آنے والی ہے"۔ [1]

اس نقطۂ نظر کے پس پردہ مستشرقین کا اصل مقصد کیا تھا؟ یہ بات پوشیدہ نہ تھی۔ ان کا مقصد نصِ قرآنی میں شک وشبہ پیدا کر دینا تھا۔ اس لیے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حیاتِ نبوی میں قرآن مدوّن نہیں ہوا تھا تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں نے قرآن کی حفاظت حافظہ کے ذریعہ کی اور کسی کا حافظہ خواہ کتنا ہی قوی ہو، طویل عرصے تک وہ تمام باتوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اس طرح قرآن کی حیثیت شاعری کے مثل ہو جائے گی جسے عربوں نے حافظہ کے ذریعہ محفوظ رکھا، لیکن اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا اور اس میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ [2]

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تحریری شکل میں موجود تھا، لیکن اس کے باوجود حضراتِ شیخین ابوبکرؓ و عمرؓ کے اندیشہ کی وجہ یہ تھی کہ جس طرح وہ لوگوں کے سینوں میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے ساتھ محفوظ تھا اس طرح ایک مصحف کی شکل میں مرتب نہیں تھا۔ صحابہ کرام اس تحریری سرمایہ کے معتبر ہونے کے گواہ تھے۔ اس لیے انھیں اندیشہ ہوا کہ اگر اسی طرح دیگر جنگوں میں بھی حفاظ صحابہ شہید ہو گئے تو حافظہ اور تحریری مواد دونوں کی روشنی میں قرآن کے جمع و ترتیب کا کام دشوار ہو جائے گا۔ [3]

مستشرقین نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لیے بعض دیگر ایسی روایات کا سہارا لیا ہے جو صراحتاً یا کنایتاً ان شکوک وشبہات کو تقویت دیتی ہیں۔ مثلاً وہ روایات جو علمائے اسلام کی کتابوں میں عام ہیں کہ عہدِ نبوی میں کتابتِ وحی کے لیے استعمال ہونے والی چیزیں سخت مادّوں کے قبیل سے تھیں، مثلاً پتھر کی سلیں، ہڈیاں اور کھجور کی ٹہنیاں وغیرہ۔ ان چیزوں کا تذکرہ حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی مختلف روایات میں آیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب انھیں جمعِ قرآن

---

[1] القرآن، بلاشیر، عربی ترجمہ رضا سعادۃ ص ۲۹-۳۰

[2] ملاحظہ کیجئے اثر القرآن فی الدراسات النحویۃ، ڈاکٹر عبد العال سالم ص ۴

[3] ملاحظہ کیجئے ہماری کتاب من قضایا القرآن۔ ص ۶۶
۳۳۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کام سونپا تو انھوں نے کیا کیا ؟ وہ خود بیان کرتے ہیں :

"میں کاغذ کے ٹکڑوں، کھجور کی ٹہنیوں، سفید پتھر کی باریک سِلوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن نقل کرنے لگا۔"

دوسری روایت میں ہے :

"میں کاغذ کے ٹکڑوں، کھجور کی ٹہنیوں، سفید پتھر کی باریک سلوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا۔"

تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں :

"میں لوگوں کے سینوں، کاغذ کے ٹکڑوں اور پسلی کی ہڈیوں سے قرآن تلاش کرنے لگا۔"

چوتھی روایت یوں ہے۔

"میں نے شانہ کی ہڈیوں، کجاوہ کی لکڑیوں، کھجور کی ٹہنیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن جمع کیا۔"

پانچویں روایت کے مطابق حضرت زیدؓ فرماتے ہیں :

"میں کاغذ، شانہ کی ہڈیوں، کجاوہ کی لکڑیوں، کھجور کی ٹہنیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا۔"[1]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ چیزیں تھیں جن پر لکھنا جاننے والے صحابہ اپنے لیے قرآنی آیات لکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں قرآن کس چیز پر لکھا جاتا تھا ؟ اس کا علم حضرت زید کی دوسری روایت سے ہوتا ہے : کنّا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع[2] (ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں "رقاع" سے قرآن جمع کیا کرتے تھے) رقاع رقعہ کی جمع ہے اس کا اطلاق چمڑے پر بھی ہو سکتا ہے، پتے پر بھی اور کاغذ پر بھی۔

حضرت براءؓ سے مروی بخاری کی روایت میں لوح وکتف (تختی اور شانہ کی

---

[1] کتاب المصاحف ص ۸ - ۲۰۹

[2] جامع ترمذی، ابواب المناقب، مسند احمد ۵/۱۸۵
۳۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہڈی) کے الفاظ آئے ہیں۔

یہ روایات مستشرقین کے نزدیک قرآن کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئیں۔ انھیں ان لوگوں نے اس حیثیت سے پیش کیا کہ ان میں مذکور چیزوں پر پورا قرآن ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن کا ایک مکمل نسخہ ایسی جتنی چیزوں پر آئے گا انھیں رکھنے کے لیے بہت بڑی جگہ چاہیے؛ جب کہ سیرت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ "بلاشیر" (Blachere) نے لکھا ہے:

> "وحی کے اہم حصوں کو ان سخت چیزوں پر لکھنے کا خیال اس وقت آیا جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ میں سکونت اختیار کی۔ بہرحال قرآن کی تدوین اس کے آغازِ نزول کے بہت بعد میں ہوئی۔ اس لیے کہ ابتدا میں اس کے وسائل اور تدوین میں کام آنے والی چیزیں فراہم نہ تھیں"۔[1]

اس طرح بلاشیر نے تدوینِ قرآن کے تصور کو باطل ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مطابق اگر فرض کر لیا جائے کہ عہدِ نبوی میں تدوین کا عمل انجام پایا ہے تو وہ جزوی طور پر صرف مدینہ میں نازل ہونے والی وحی کے اہم حصوں کا ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ تدوین میں استعمال ہونے والی چیزوں کی خرابی کی وجہ سے کچھ حصے مٹ گئے ہوں، یا کچھ سے کچھ ہو گئے ہوں۔ اس طرح اس نے وہی نتیجہ نکالنا چاہا ہے جو اس سے پہلے دیگر مستشرقین نکال چکے ہیں کہ قرآن کو حفّاظِ صحابہ کی یادداشت کی بنیاد پر ضبطِ تحریر میں لایا گیا اور جمعِ قرآن سے پہلے بہت سے صحابہ وفات پا چکے تھے۔

حیرت ہے کہ متقدمین اور متاخرین علمائے اسلام نے ان روایات کو نقل کرنے میں اتنا اہتمام کیوں کیا ہے کہ ان سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ کتابتِ وحی کے لیے استعمال میں آنے والی بس یہی چیزیں تھیں، حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف

---

[1] القرآن، بلاشیر ص ۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہ بات قرینِ عقل نہیں ہے کہ اہلِ عرب پتھر کی سلوں، ہڈیوں اور کھجور کی ٹہنیوں کے علاوہ اور کسی آلۂ تحریر سے واقف ہی نہیں تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو مکہ میں نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی ــــ جو پورے قرآن کا تقریباً دو تہائی حصہ ہیں ــــ کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے بڑی مقدار میں ایسی چیزوں کی ضرورت ہوتی اور انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے اونٹوں کے ایک قافلے کی ضرورت پڑتی۔ حالانکہ واقعاتِ سیرت میں ایسا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے قبل یا آپؐ کے ساتھ اس تحریری سرمایہ کو اونٹوں کے قافلے پر لاد کر مدینہ پہنچایا گیا ہو۔[1]

حقیقت سے قریب تر بات یہ ہے کہ اہلِ عرب آلاتِ تحریر میں سے ملائم اور باریک چیزوں مثلاً چمڑے اور کاغذ وغیرہ سے واقف تھے، خاص طور پر ایسے حالات میں، جب کہ ہم جانتے ہیں کہ مکہ میں تجارتی ماحول پایا جاتا تھا اور تجارتی معاملات کو ضبطِ تحریر میں لایا جاتا اور حسابات لکھے جاتے تھے۔

سیرتِ نبوی کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ قریش نے بنو ہاشم کا سماجی بائیکاٹ کرنے کے لیے ایک دستاویز تحریر کی تھی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جب ان میں سے چند لوگوں نے ظلم پر مبنی اس دستاویز کو چاک کر دینا چاہا تو پتا چلا کہ پوری دستاویز کو دیمک نے کھا لیا ہے۔ صرف باسمک اللھم کے الفاظ باقی بچے ہیں۔ یہ قطعی دلیل ہے اس بات کی کہ وہ دستاویز کسی ملائم اور باریک چیز پر لکھی ہوئی تھی۔ مدینہ میں اس طرح کی اور بھی بہت سی تحریروں کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً صلح حدیبیہ کی دستاویز، بادشاہوں اور حکمرانوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ قرآنی تحریریں جنھیں اکٹھا کر کے حضرت زیدؓ نے قرآن مدوّن کیا اور صحابہ کے تیار کردہ بعض ذاتی صحیفے جن میں انھوں نے قرآن لکھ رکھا تھا اور جنھیں حضرت عثمانؓ نے قرآن کے مستند نسخے کی بہت سی نقلیں تیار کروانے کے بعد جلانے کا حکم دے دیا تھا۔

مسلمانوں کا آلاتِ تحریر میں سے ان ملائم اور باریک چیزوں سے واقف ہونا

---

[1] موازنہ کے لیے دیکھئے عن القرآن۔ محمد صبیح ص ۸۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرینِ قیاس ہے۔ اس لیے کہ ان کے ارد گرد اہلِ کتاب کے بڑے بڑے قبیلے رہتے تھے۔ ان کے پاس ان کی مذہبی کتابیں تھیں جو ان کے مطالعے میں رہتی تھیں۔ قرآن نے بارہا ان کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور عربوں سے خطاب کرتے ہوئے ان ملائم اور باریک آلاتِ تحریر مثلاً صحف (صحیفوں) اور قراطیس (کاغذ کے ٹکڑوں) کا تذکرہ کیا ہے:

إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (الاعلیٰ: ۱۸-۱۹)	یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی۔ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔
وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (الانعام: ۷)	اے پیغمبر اگر ہم تمہارے اوپر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی جنھوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔
قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا (الانعام- ۹۱)	ان سے پوچھو، پھر وہ کتاب جسے موسیٰؑ لایا تھا، جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی، جسے تم پارہ پارہ کر کے رکھتے ہو، کچھ دکھاتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو..... آخر اس کا نازل کرنے والا کون تھا؟

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم کتابتِ وحی میں ان سخت آلاتِ تحریر (پتھر کی سلوں، ہڈیوں اور ٹہنیوں) کے استعمال میں آنے کی نفی کر رہے ہیں۔ ہم صرف اس بات کے منکر ہیں کہ کتابتِ وحی کے لیے کام آنے والی بس یہی چیزیں تھیں یا انہی چیزوں کو زیادہ تر استعمال کیا گیا۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ ان چیزوں کو ناگزیر ضرورت پر ہی استعمال کیا گیا مثلاً کبھی ملائم و باریک آلاتِ تحریر کم پڑ گئے یا نزولِ وحی کے وقت فوری طور پر وہ دستیاب نہیں ہوتے تو عارضی طور پر قرآن کو ان سخت آلاتِ تحریر پر لکھ لیا گیا اور بعد میں اسے رقعات (چمڑے اور کاغذو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر نقل کر لیا گیا، جیسا کہ حضرت زیدؓ کی روایت میں اشارہ ملتا ہے[1]

جمعِ قرآن سے متعلق روایات اور شبہات

حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں جمعِ قرآن کا جو کام انجام پایا اس سے متعلق بعض روایات ایسی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ کو قرآن کی بعض آیات ابتداء میں نہیں مل رہی تھیں، تلاشِ بسیار کے بعد مل سکیں۔

مثلاً ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں "میں قرآنی آیات تلاش کر کر کے انھیں ترتیب سے نقل کرنے لگا۔ مجھے ایک آیت نہیں ملی جسے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ .... (التوبہ: ۱۲۸) میں نے اسے تلاش کیا تو وہ مجھے خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی۔ چنانچہ میں نے اسے سورۂ توبہ میں اس کی متعین جگہ لکھ لیا"۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: "میں قرآن جمع کرنے لگا۔ مجھے سورۂ توبہ کی آخری آیتیں خزیمہ بن ثابتؓ کے پاس ملیں"

تیسری روایت میں حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: "ابوبکرؓ نے مجھے بلا کر قرآن جمع کرنے کا حکم دیا۔ میں قرآنی آیات تلاش کر کے انھیں ترتیب سے لکھنے لگا۔ ایک آیت جسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا، مجھے کسی کے پاس نہیں ملی۔ میں نے تلاش کیا تو ایک انصاری صحابی کے پاس ملی۔ وہ آیت ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ.... (الاحزاب-۲۳) چنانچہ میں نے اس کی متعین جگہ اسے شامل کر لیا"۔

چوتھی روایت زہری سے مروی ہے۔ وہ خارجہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا: "سورۂ احزاب کی ایک آیت، جسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا، نہیں مل رہی تھی۔ تلاش کیا تو وہ خزیمہ بن ثابتؓ یا ابوخزیمہؓ کے پاس ملی۔ میں نے اس کی متعین جگہ اسے شامل

---

[1] موازنہ کے لیے ملاحظہ کیجیے القرآن المجید، محمد عزۃ دروزہ ص ۷۷ - ۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرلیا..... حضرت خزیمہؓ ذوالشہادتین کے لقب سے جانے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔"

پانچویں روایت میں یحییٰ بن عبادؒ اپنے والد عباد بن عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حارث بن خزیمہؓ[1] سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں لے کر حضرت عمرؓ بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: تمہارے ساتھ اور کوئی گواہ ہے کہ یہ قرآن کی آیتیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں اللہ کی قسم میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے، انھیں یاد کیا ہے اور محفوظ رکھا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "دوسرا گواہ میں ہوں"۔ پھر فرمایا: "اگر یہ تین آیات ہوتیں تو انھیں ایک علیحدہ سورت بنا دیتا۔ جاؤ دیکھو، قرآن کی کسی سورت میں، جہاں مناسب ہو، شامل کردو"۔ میں نے انھیں سورۂ برارت (توبہ) کے آخر میں شامل کر دیا۔

چھٹی روایت ابوالعالیہ کے واسطے سے حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: "جب لوگ سورۂ توبہ کی اس آیت پر پہنچے: ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (آیت نمبر ۱۲۷) تو سمجھے کہ سورت ختم ہوگئی۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کے بعد دو آیتیں اور پڑھائی ہیں: لَقَدْ جَاءَكُمْ ..... یہ اس سورت کا آخری حصہ ہے۔"

ساتویں روایت ابن وہب سے مروی ہے کہ "حضرت خزیمہ بن ثابتؓ آئے اور کہنے لگے: "میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے دو آیتیں چھوڑ دی ہیں، انھیں شامل نہیں کیا ہے"۔ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا: "وہ کون سی آیتیں ہیں؟" انھوں نے فرمایا: لَقَدْ جَاءَكُمْ ..... حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ یہ دونوں آیتیں وحی کا حصہ ہیں۔ انھیں کہاں رکھ دیا جائے؟ حضرت خزیمہؓ نے فرمایا: "قرآن کی جو آیتیں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہیں ان کے آخر میں ان دونوں آیتوں کو شامل کر دیا جائے۔ چنانچہ انھیں سورۂ برارت (توبہ) کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

---

[1] ایک روایت میں یہ نام حارث بن خزمہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے لطائف الاشارات، قسطلانی ص ۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ بالا روایات کو ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں نقل کیا ہے[۱] لیکن امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور انہی سے امام قسطلانیؒ نے اپنی کتاب لطائف الاشارات میں نقل کیا ہے کہ حضرت زیدؓ نے فرمایا:

"سورۂ توبہ کی آخری آیتیں مجھے صرف ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس ملیں۔ ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملیں"۔[۲]

علامہ زرکشیؒ نے اپنی کتاب 'البرہان' میں حضرت زیدؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: :

"سورۂ توبہ کی آخری آیتیں مجھے ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس ملیں، جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا"۔[۳]

امام بخاریؒ نے کتاب فضائل القرآن 'باب جمع القرآن' میں بیان کیا ہے کہ حضرت زیدؓ کو حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کے پاس سورۂ احزاب کی آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ ...... ملی تھی۔

مذکورہ بالا روایات کا اضطراب واختلاف واضح ہے۔ ابتدا میں نہ ملنے والی آیت کون سی تھی؟ سورۂ توبہ کی آخری آیتیں؟ یا سورۂ احزاب کی آیت؟ یا دونوں؟ جس صحابی کے پاس وہ ملی تھیں ان کا نام کیا تھا؟ خزیمہ بن ثابت انصاری؟ یا ابوخزیمہ انصاری؟ یا حارث بن خزیمہ؟ یا ابن خزمہ؟

اور یہ کس عہد کا واقعہ ہے؟ عہد ابوبکرؓ کا؟ یا عہد عثمانؓ کا؟

اس موضوع کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی حیرت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ان روایات پر متقدمین علمائے اسلام کی تعلیقات اور تبصرے اس کی نظر سے گزرتے ہیں، مثلاً:

قسطلانی نے اپنی کتاب ارشاد الساری[۴] میں حضرت زیدؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

---

[۱] ملاحظہ کیجئے کتاب المصاحف ص ۷۔ ۳۱

[۲] دیکھئے لطائف الاشارات، قسطلانی ص ۳۵

[۳] دیکھئے البرہان فی علوم القرآن۔ زرکشی، ۱/ ۲۳۴

[۴] ملاحظہ کیجئے ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، شہاب الدین قسطلانی ۷/ ۱۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیتیں خزیمہ انصاری کے پاس پائیں" یہ خزیمہ بن ثابت بن الفاکہ الخطمی ہیں جن کا لقب ذوالشہادتین تھا۔"

پھر قسطلانی ابن شہاب زہری کے واسطے سے حضرت زیدؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: "مجھے سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس ملیں" ان کا نسب یہ ہے: ابن اوس بن اصرم بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار۔

ایک دوسری روایت حضرت زیدؓ سے یہ مروی ہے: "جب ہم حضرت عثمانؓ کے حکم سے حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ صحیفے سے نقلیں تیار کر رہے تھے تو سورۂ احزاب کی ایک آیت مجھے نہیں ملی، جبکہ اسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ تلاش کرنے پر وہ صرف خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی، جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے اس کی متعین جگہ شامل کر دیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے صرف ایک شخص کی گواہی پر قرآن میں شامل کیا گیا، اس لیے کہ اس کا وحی میں سے ہونا صحابہ کے نزدیک بتواتر ثابت تھا۔ حضرت عمرؓ نے گواہی دی تھی کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے۔ ایسی ہی گواہی حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ہلال بن امیہؓ نے بھی دی تھی۔

عمدۃ القاری میں ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ حضرت زیدؓ نے فرمایا: "سورۂ توبہ کی آخری آیتیں مجھے ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس ملیں" ابو الفرج کہتے ہیں: 'ابوخزیمہ' وہم ہے۔ صحیح نام خزیمہ ہے۔[1]

اسی کتاب میں یہ بیان بھی موجود ہے: سورۂ توبہ کی آخری آیتیں کس کے پاس ملی تھیں اس سلسلے میں اصحاب ابراہیم بن سعد کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض لوگ ان کا نام ابوخزیمہ اور بعض خزیمہ بتاتے ہیں۔ موسیٰ بن اسماعیل کہتے ہیں: سورۂ توبہ کی آیتیں ابوخزیمہ کے پاس اور سورۂ احزاب کی آیت خزیمہ کے پاس ملی تھی۔

اسی کتاب میں زہری سے ایک دوسری روایت بھی ہے۔ وہ خارجہ بن زید

---

[1] دیکھئے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، عینی، ۱۸/۲۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے واسطے سے حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ "جب ہم نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے قرآن کے نسخے نقل کیے تو اس وقت سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی۔ تلاش کرنے پر وہ خزیمہ انصاری کے پاس ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔

مؤلف عمدۃ القاری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: اگر اس پر یہ کہا جائے کہ حضرت خزیمہؓ کے پاس ملنے والی آیت تو سورۂ توبہ کی تھی۔ جبکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس سورۂ احزاب کی آیت ملی تھی۔ تو اس کا جواب یہ دیا جائے کہ یہ روایت حصر پر دلیل نہیں ہے۔ ممکن ہے دونوں سورتوں کی آیتیں صرف انہی کے پاس ملی ہوں[1]

مذکورہ بالا تعلیقات اور تبصروں سے ممکن ہے حقیقت کے بعض پہلو نکھر گئے ہوں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس خلطِ مبحث سے عہدِ ابوبکر صدیق میں جمعِ قرآن کے عمل پر سلبی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض محققین نے لکھا ہے کہ: "ایسی روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیتیں دورانِ تدوین نہیں مل رہی تھیں، تلاش کرنے پر کسی صحابی کے پاس ملیں، معتبر نہیں ہیں، یا جمعِ قرآن کا جو طریقہ متقدمین کی متداول کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، وہ حقیقت سے بعید تر ہے[2]

ایسے محققین کے نزدیک مذکورہ روایات میں شک کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمعِ قرآن کا واقعہ مسلمانوں کے نزدیک انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں اس قدر ابہام اور اضطراب کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا کہ یہ بات ہی متعین نہ ہو سکے کہ نہ ملنے والی آیات کون سی تھیں؟ تلاش کرنے پر وہ کس صحابی کے پاس ملیں؟ اور یہ کس دور کا واقعہ ہے؟ جمعِ قرآن کے مسئلے پر ان باتوں سے زیادہ اہم، قابلِ توجہ اور خطرناک

---

[1] عمدۃ القاری ۱۹/ ۱۱۶

[2] عن القرآن، محمد صبیح ص ۲۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن کے نسخوں کی تیاری کے دوران پیش آیا ہو، جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے عہدِ ابوبکرؓ میں جمعِ قرآن کی تاریخ کے بہت سے ثابت شدہ حقائق کی بنیادیں ڈھ جاتی ہیں اور مستشرقین کے ان شبہات کو تقویت ملتی ہے کہ "فتنۂ ارتداد کے دوران جب بہت سے حفاظِ قرآن صحابہ جاں بحق ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو قرآن کے سلسلے میں فکر دامن گیر ہوئی، وہ قرآن کا ایک ایسا نسخہ تیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگے جو مختلف صحابہ کے تیار کردہ ذاتی نسخوں کا جامع ہو، لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے اور ایسا نہیں لگتا کہ وہ اپنے اقتدار اور نفوذ کی بدولت دیگر صحابہ کے نسخوں سے بہتر نسخہ تیار کر سکے ہوں۔ بیس سال کے بعد اس سلسلے میں ایک اہم اقدام کیا گیا اور صحابہ نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد میں قرآن کا ایک ایسا نیا نسخہ تیار کرنے کا ارادہ کیا جو زیادہ جامع اور محیط ہو۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے تیار کردہ نسخہ کو بنیاد بنایا گیا اور اس میں قرآن کے بعض ان حصوں کو بھی شامل کیا گیا جو اس وقت تک منتشر تھے یا بعض صحابہ کو زبانی یاد تھے"۔ [۱]

جمعِ قرآن کے اس قضیہ میں ہمیں دو باتوں میں سے کسی ایک کو قبول کرنا ہوگا۔ یا تو ہم یہ تسلیم کریں کہ جمعِ قرآن کے دوران بعض آیات کے نہ ملنے اور تلاش کرنے پر کسی ایک صحابی کے پاس ملنے کا واقعہ اس دور کا ہے جب حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں قرآن کے نسخے تیار کیے جا رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں جمعِ قرآن کا عمل صحیح طریقے پر نہیں انجام پایا تھا اور بعض آیات اس میں شامل ہونے سے رہ گئی تھیں۔ قرآن کے مکمل، اور اس کے متن کے معتبر ہونے کی بات خیالی ہے جسے مسلمان مورخین نے عہد بعہد تسلیم شدہ حقیقت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی نتیجہ نکلے گا کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں قرآن کو از سرِ نو جمع کیا گیا اور مصحفِ ابوبکر میں جو آیات

---

[۱] القرآن۔ بلاشیر ص ۳۰-۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شامل ہونے سے رہ گئی تھیں، انھیں شامل کیا گیا۔ بالفاظ دیگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حضرت عثمانؓ کے عہد تک متنِ قرآن نقص و اضطراب کا شکار رہا، اس بنا پر اس کی صحت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

یا ہمارے لیے لازم ہے کہ ان تمام روایات کو قطعی رد کر دیں جو اس واقعہ کو عہدِ عثمانؓ کا قرار دیتی ہیں۔ اس لیے کہ ان میں اضطراب پایا جاتا ہے اور وہ ان روایات سے مختلف ہیں جن پر تقریباً اجماع کی حد تک اتفاق ہے اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں انتہائی دقّت، ضبط اور مہارت کے ساتھ جمعِ قرآن کا عمل انجام دیا گیا تھا اور اس کا ایک مکمل نسخہ تیار ہو گیا تھا۔ بعد میں حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ان کا کام بس یہ تھا کہ انھوں نے عہدِ ابوبکرؓ میں تیار کردہ متفق علیہ مصحف کے بہت سے نسخے تیار کروا کر مختلف شہروں میں بھیج دیے۔

ان متفق علیہ روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جمعِ قرآن کے لیے ان تحریروں کو بنیاد بنایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ تھیں اور جن صحابہ کو قرآن یاد تھا یا اس کے کچھ حصے ان کے پاس تحریری صورت میں موجود تھے، ان سے وہ تحریریں منگائیں تاکہ اس منتشر تحریری مواد کا موازنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ قرآن کی یکجا تحریروں سے کر لیا جائے اور تمام لوگ جمعِ قرآن کے اس عمل میں شریک رہیں اور کسی کے دل میں کچھ شک و شبہ نہ رہے۔ اسی لیے انھوں نے یہ کام بہت سے صحابہ کی موجودگی میں کرایا اور لازم کیا کہ اگر کوئی شخص ایسی آیت پیش کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ تحریر سے مختلف ہو یا اس میں موجود نہ ہو تو اس پر حافظہ یا کتابت کی دو گواہیاں پیش کرے[1]

حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اس چیز کا اعلان کر دیا۔ ان کے پاس قرآن کے جو اجزا تحریری شکل میں موجود تھے وہ لے کر آئے اور ان کا قرآن کے اس نسخے سے موازنہ کیا گیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں محفوظ تھا۔ اس سلسلے میں

---

[1] ملاحظہ کیجیے البرہان ۱/۲۳۸ اور موازنہ کے لیے دیکھیے ہماری کتاب من قضایا القرآن ص ۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ چیز بعید نہیں ہے کہ قرآن کی بعض آیتیں جو تمام صحابہ کو یاد تھیں، وہ تحریری صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہ ملی ہوں (اِدھر اُدھر ہو گئی ہوں) اور بعض صحابہ کے پاس تحریری شکل میں موجود ہوں۔ اس لیے یہ چیز موجبِ حیرت نہیں ہے کہ حضرت زیدؓ کو سورۂ توبہ کی آخری آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تحریری طور پر نہ ملی ہوں اور انھوں نے صحابہ سے دریافت کیا ہو کہ کیا کسی کے پاس وہ تحریری طور پر موجود ہیں۔ یہ چیز یوں بھی قرینِ قیاس ہے کہ یہ دونوں آیتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں، لیکن ترتیبِ قرآن میں ان کی جگہ مدینہ میں نازل ہونے والی سورت کے آخر میں تھی، وہ سورت جس کی تکمیل ۹ھ میں ہوئی تھی۔ ممکن ہے سورۂ احزاب کی آیت بھی کسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تحریری شکل میں نہ ملی ہو۔

یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ اگر کوئی صحابی ایسی آیت پیش کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تحریری شکل میں موجود نہ ہو یا وہاں محفوظ تحریر سے مختلف ہو تو وہ دو گواہیاں پیش کرے۔ یہ دونوں گواہیاں کس نوعیت کی مطلوب تھیں؟ زبانی یادداشت کی، یا تحریر کی؟ یا ایک زبانی یادداشت کی اور ایک تحریر کی؟ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہرحال تحریر کی دو گواہیوں کے قائلین کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرتے جو اس شرط کو پورا کر سکے۔ حضرت خزیمہ بن ثابتؓ ذوالشہادتین سے بہتر نام انھیں نہیں مل سکتا تھا جس کی طرف اس واقعہ کو منسوب کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ تحریر کے ایک گواہ تھے اور ان کے ساتھ زبانی یادداشت کے بہت سے گواہ موجود تھے۔

اس قضیہ میں جو اضطراب پایا جاتا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ذوالشہادتین کی صفت بعض روایات میں حضرت ابوخزیمہؓ کی جانب منسوب کر دی گئی ہے[1] اگر یہ بات نہیں ہے تو کیسا عجیب اتفاق ہے کہ ایک ہی واقعہ سے دو ایسے افراد کا تعلق ہے جن میں سے ایک کا نام ابوخزیمہ اور دوسرے کا نام خزیمہ ہے۔ دونوں کے درمیان کنیت کے علاوہ اور کوئی فرق

---

[1] دیکھئے البرہان ۱/۲۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں، یہاں تک کہ تیسرا آدمی بھی (اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے) خزیمی ہے اور اس کا نام حارث بن خزیمہ ہے۔

بہر حال جس صحابی کے پاس آیت ملی تھی ان کا نام خزیمہ ہو یا ابوخزیمہ، اور ملنے والی آیت سورۂ توبہ کی ہو یا سورۂ احزاب کی، یا دونوں ہوں، جمع قرآن کی نوعیت اور طریقہ کار کو دیکھتے ہوئے یہ واقعہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد کا معلوم ہوتا ہے۔

رہا حضرت عثمانؓ کا کام تو وہ — جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں — اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں تیار شدہ متفق علیہ مصحف کی بہت سی نقلیں تیار کروادیں، تاکہ وہ متفق علیہ مصحف لوگوں کے درمیان عام ہو جائے۔ ان کے زمانے میں قرآن کے معاملے میں لوگوں کے درمیان اختلافات ہونے لگے تھے۔ بعض لوگ کچھ کمی بیشی کرنے لگے تھے یا ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ استعمال کرنے لگے تھے۔ قرآن کے متداول نسخوں میں قرآن کے اصل الفاظ اور ان کی تشریح وتاویل ایک دوسرے میں خلط ملط ہونے لگے تھے۔ بعض لوگوں نے غیر قرآن کو غلطی سے قرآن سمجھ لیا تھا۔ اس وقت ضرورت تھی کہ قرآن کے متفق علیہ نسخہ کو عام کیا جائے، تاکہ لوگوں کے اختلافات اور ان کی غلط فہمیاں دور ہوں، قرآن، غیر قرآن سے ممتاز ہو جائے اور لوگوں کو نصِ قرآن کا یقینی علم حاصل ہو جائے۔ اگر کوئی عبارت قرآن کے متفق علیہ نسخہ کے نص سے مختلف ہو تو قطعی طور پر اس کے قرآن نہ ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ قرآن کا متفق علیہ نسخہ تیار ہو جانے کے بعد اس کے علاوہ کسی مصحف کے باقی رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اسی لیے حضرت عثمانؓ نے بقیہ تمام نسخوں کو جلائے جانے کا حکم دے دیا تاکہ آئندہ تمام اختلافات کا خاتمہ ہو جائے اور قرآن ہر طرح کے التباس سے محفوظ ہو جائے۔[۱]

حضرت عثمانؓ کے کام میں کوئی نئی چیز نہیں تھی، سوائے اس کے کہ انھوں نے مصاحف کو بغیر نقطوں کے تیار کروایا، تاکہ اگر کسی لفظ کی متعدد قراءتیں ہوں مثلاً 'تتلو' اور 'تبلو' تو ان کے لیے ایک ہی رسم الخط اختیار کیا جا سکے۔ بعض مواقع پر ایسا ممکن

---

[۱] اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھئے ہماری کتاب من قضایا القرآن ص ۷۷-۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو سکا تھا، مختلف قرائتیں ایک رسم الخط کے تحت نہ آسکیں تو بعض مصاحف میں ایک قرات لکھی گئی اور بعض دیگر مصاحف میں دوسری قرات۔ مثلاً سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ مصحفِ مکی میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (مِنْ کے ساتھ) اور مصحفِ کوفی میں جو آج کل متداول ہے تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ (بغیر مِنْ کے) کے الفاظ کے ساتھ لکھی گئی[۱]

اسی طرح حضرت عثمانؓ نے قرآن قریش کے رسم الخط میں لکھوایا۔ انھوں نے قرآن کے نسخے تیار کرنے والی جماعت میں شامل تینوں قریشی صحابہ (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ) سے فرمایا کہ "جب قرآن کے کسی لفظ کے رسم الخط کے سلسلے میں تمہارے اور زیدؓ کے درمیان اختلاف ہو تو اسے قریش کے طریقے پر لکھو، اس لیے کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے"۔ چنانچہ ان صحابہ نے ایسا ہی کیا۔ اسی لیے لفظ التابوت (البقرہ - ۲۴۸، طہٰ - ۳۹) کو لمبی ت سے لکھا گیا، جب کہ مدینہ میں وہ گول ۃ سے (التابوۃ) لکھا جاتا تھا[۲]

بکثرت روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے قرآن کا وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں تیار ہوا تھا اور جو ان کے باپ حضرت عمرؓ بن الخطاب کی وفات کے وقت سے ان کے پاس محفوظ تھا اور حضرت زید بن ثابتؓ اور تینوں قریشی صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے متعدد نسخے تیار کریں۔ اس کے برخلاف ایک روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پہلے خود ایک مصحف جمع کروایا، پھر حضرت حفصہؓ کے پاس موجود مصحف سے اس کا موازنہ کروایا۔ یہ خبرِ واحد قابلِ التفات نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بات عقل و منطق سے بعید تر ہے کہ حضرت عثمانؓ از سرِ نو وہ کام کروائیں جو ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ہو چکا تھا اور وہ بھی اس صورتِ حال میں کہ ان کے تیار کردہ نسخہ

---

[۱] کتاب المصاحف ص ۴۷

[۲] کتاب المصاحف ص ۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اتنے صحابہ کا اجماع نہیں ہو سکتا تھا جتنے صحابہ کا اجماع مصحفِ ابوبکرؓ پر ہوا تھا۔ اس لیے کہ ان کے عہد تک بہت سے صحابہ شہید ہو چکے تھے۔

شاید اس روایت کی بنیاد ایک دوسری روایت پر ہے جو اس سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اس کے مطابق جب حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے مصحف مانگا تو انھوں نے اسے دینے سے انکار کر دیا، پھر اس شرط کے ساتھ دینے پر تیار ہوئیں کہ اسے انھیں واپس کر دیا جائے گا۔[۱]

مستشرقین نے اس روایت کو اچک لیا اور حضرت حفصہؓ کے مصحف دینے سے انکار کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ انھوں نے اسے اپنے باپ سے ورثہ میں پایا تھا۔ مستشرقین کے خیال میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں جو مصحف تیار کروانے کا آغاز کیا تھا اس کی تکمیل حضرت عمرؓ کے عہد میں ہو پائی تھی، اس لیے کہ جلد ہی حضرت ابوبکر کی وفات ہو گئی تھی، اسی لیے انھوں نے طبقات ابن سعد کی اس روایت کو ترجیح دی ہے جس میں حضرت عمرؓ کو پہلا جامعِ قرآن کہا گیا ہے۔ مستشرقین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت ابوبکرؓ کے جمعِ قرآن کا محرک ان کی یہ خواہش تھی کہ ان کے پاس بھی قرآن کا ایک نسخہ ہونا چاہیے تاکہ سربراہِ جماعت کی پوزیشن بعض ان صحابہ سے کمتر نہ رہے جن کے پاس قرآن کے ذاتی نسخے موجود تھے۔ اسی لیے جن صحابہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ وحی کی خدمت لی تھی، ان میں سے ایک کو انھوں نے اس کام پر لگایا کہ ان دونوں کے لیے قرآن کا ایک نسخہ تیار کر دے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کے ذہن میں ایک مصحف تیار کروا کے اسے تمام مسلمانوں کے لیے لازم کرنے کا خیال نہیں تھا۔[۲]

اس طرح مستشرقین نے پوری کوشش کی کہ مصحفِ ابوبکرؓ کو ذاتی رنگ دے دیں، تاکہ وہ تواتر اور قطعیتِ ثبوت کی صفات سے عاری ہو جائے اور اس میں اور دیگر صحابہ کے تیار کردہ نسخوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے اور اس طرح اسے

۱؎ ملاحظہ کیجیے کتاب المصاحف ص ۹

۲؎ دیکھیے 'المدخل الی القرآن' بلاشیر ص ۳۴-۳۶، موازنہ کے لیے دیکھیے بلاشیر کی دوسری کتاب القرآن ص ۳۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کرنا لازم نہ رہے[1]

مستشرقین نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کے جو نسخے تیار کروائے ان میں مصحف ابوبکرؓ و عمرؓ بھی شامل تھا اور قرآن کے وہ اجزاء بھی جو اس وقت تک منتشر حالت میں تھے یا بعض صحابہ کو زبانی یاد تھے اور وہ مصحفِ ابوبکر میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جب اپنے تیار کردہ ان نسخوں کو عام کرنا چاہا تو انھیں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے کہ جن صحابہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر جان و مال کی قربانیاں دی تھیں مثلاً حضرت ابن مسعودؓ، انھیں جب معلوم ہوا کہ سرکاری مصحف تیار کرنے کے لیے ان کے نسخوں پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے تو انھیں اپنی حق تلفی کا احساس ہوا[2]

ان دعووں کے پیچھے بعض روایات ہیں جنھیں ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کے حکم کی مخالفت کی اور کوفہ میں لوگوں کو حکم دیا کہ وہ انہی کے مصحف کو اختیار کریں۔ انھوں نے فرمایا: "تم لوگ کیونکر مجھے حکم دیتے ہو کہ میں زید بن ثابت کی قرارت کے مطابق قرآن پڑھوں، جب کہ میں نے ستر سے زائد سورتیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سن کر یاد کی ہیں، اس وقت زید بن ثابت اتنے نوعمر تھے کہ لڑکوں کے ساتھ آئے تھے، ان کے دو چوٹیاں نکلی رہتی تھیں[3]

اگرچہ علماء نے ان روایات کو کمزور قرار دیا ہے، لیکن اگر انھیں تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس عمل کی مخالفت یہ گمان کر کے کی کہ اسے نئے سرے سے صرف حضرت زیدؓ نے تنہا انجام دیا ہے، پھر انھیں کیوں کر اس سے الگ رکھا گیا جب کہ وہ اس کام کے زیادہ مستحق تھے؟ کیونکہ انھیں قبولِ اسلام میں سبقت حاصل ہے اور انھوں

---

[1] تاریخ القرآن، ڈاکٹر عبدالصبور شاہین ص ۱۱۰

[2] القرآن، بلاشیر ص ۳۴-۳۵

[3] المصاحف ص ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست بہت سی سورتیں سنی ہیں، لیکن جب انھیں یقین ہوگیا کہ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ مصحفِ ابوبکرؓ ہی کی نقلیں تیار کی گئی ہیں اور اسے انجام دینے میں حضرت زیدؓ تنہا نہیں ہیں، بلکہ ان کے ساتھ دیگر صحابہ بھی شریک رہے ہیں تو ان کی شکایت دور ہوگئی اور انھوں نے اپنی رضامندی اور موافقت کا اعلان کر دیا[1]

مستشرقین کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے بعد میں اپنی موافقت کا اظہار کر دیا تھا یا مخالفت پر آخر تک قائم رہے تھے۔ انھوں نے تو ان روایات کا سہارا لے کر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے کام کی، ان کے زمانے میں مخالفت کی گئی ہے اور ان کا کام درست نہیں تھا حضرت عثمانؓ نے دیگر نسخے جلوا دیے تھے۔ اس کو ان مستشرقین نے "مقدسات" کی توہین قرار دیا ہے، کیونکہ ان نسخوں کو متقی و پرہیزگار لوگوں نے خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور ان سے براہِ راست سن کر تیار کیا تھا[2] (باقی)

---

[1] المصاحف ص ۱۸ [2] القرآن۔ بلاشیر ص ۱۸

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی نئی پیش کش

قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان

از
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن کریم میں اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ کے انعامات واحسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اہلِ کتاب کے اس مفصّل تذکرہ کا کیا مقصد ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت ونصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اس کتاب میں انہی اہم موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب پر سکریٹری ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کا مبسوط اور وقیع مقدمہ بھی ہے۔

عمدہ کاغذ، دیدہ زیب سرورق، آفسٹ کی حسین طباعت، صفحات: ۲۹۶، قیمت: ۷۰ روپے

ملنے کے پتے
(۱) مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ
(۲) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ ابوالفضل انکلیو نئی دہلی ۲۵

© rasailojaraid.com